جناب ثروت صولت

طہطاوی ـــ انیسویں صدی کے ایک مصری مفکر

انیسویں صدی میں جب یورپ کو مشرقی ملکوں پر بالعموم اور اسلامی ملکوں پر بالخصوص مکمل فوجی اور سیاسی غلبہ حاصل ہوگیا تو مسلمان اپنے زوال اور یورپ کے عروج کے اسباب پر غور وفکر کرنے پر مجبور ہوئے۔ ایک گروہ یہ سوچنے لگا کہ یورپ کی برتری فوجی نظام کی وجہ سے ہے اس لیے مسلمان ملکوں کو فوجی نظام میں اصلاحات کرنا چاہیے اور یورپ کی طرح اپنی فوجوں کو منظم کرنا چاہیے۔ یہ عام طور پر حکمران طبقے کی سوچ تھی۔ ہندوستان میں حیدر علی اور ٹیپو سلطان نے اور عثمانی سلطنت میں سلطان سلیم ثالث نے اسی تصور کے تحت فوجی اصلاحات کیں اور اس میں کوئی شک نہیں کہ وہ ان اصلاحات کی وجہ سے اپنے سے پہلے حکمرانوں کے مقابلے میں مغرب کی دراز دستیوں کا زیادہ بہتر اور زیادہ کامیابی سے مقابلہ کرسکے۔ لیکن یہ فوجی اصلاحات بھی مغرب کی جارحانہ کارروائیوں اور اس کی فوجی پیش قدمی کو پوری طرح روک نہیں سکیں۔

مسلمان علما بھی اس مسئلے میں دو گروہوں میں تقسیم ہوگئے۔ ایک گروہ کا خیال تھا کہ ہمارے زوال کی سب سے بڑی وجہ یہ ہے کہ ہم اسلام سے دور چلے گئے ہیں، اسی لیے بدبختی کے یہ دن دیکھنے پڑے ہیں۔ ہماری نجات دراصل اسلام کی طرف واپسی میں ہے اور اسلام کی طرف واپسی سے ان کی مراد یہ تھی کہ ہم اپنے عقیدے، اخلاق اور کردار میں اسلاف کی طرح ہوجائیں اور ان غیر اسلامی عادات اور رسوم کو ترک کردیں جو مرور ایام کے ساتھ مسلمانوں کے معاشرے میں داخل ہوگئی ہیں۔ ان علما اور مصلحین نے ترقی اور زوال کے علمی، سماجی اور سیاسی اسباب کو بڑی حد تک نظر انداز کردیا اور یورپ کی ترقی کے اسباب معلوم کرنے کی بھی کوشش نہ کی۔

لیکن مسلمان ارباب فکر ونظر میں ایک گروہ ایسا بھی تھا جسے یورپ کو قریب سے دیکھنے کا موقع ملا۔ اس نے مغربی مصنفین کی کتابوں کا بھی مطالعہ کیا اور وہ اس مشاہدے اور مطالعے کی روشنی میں جس نتیجے پر پہنچا وہ ہمارے علما کے روایتی نقطۂ نظر سے مختلف تھا۔ مذہب کی اہمیت اس

گروہ کی نظر میں بھی مسلمہ تھی لیکن وہ زوال کی اصل وجہ تاریخی، سیاسی اور سماجی عوامل میں تلاش کرتا تھا۔ یہ گروہ نظامِ تعلیم میں ایسی وسعت پیدا کرنا چاہتا تھا کہ نئی نسل جدید دور کے تقاضوں کو پورا کر سکے۔ انیسویں صدی میں مصر میں طہطاوی (۱۸۰۱ء تا ۱۸۷۳ء)، روس میں شہاب الدین مرجانی (۱۸۱۵ء تا ۱۸۸۹ء)، ترکی میں نامق کمال (۱۸۴۰ء تا ۱۸۸۸ء)، تونس میں خیر الدین پاشا (۱۸۲۱ء تا ۱۸۹۰ء)، شام میں عبد الرحمن کواکبی (۱۸۵۴ء تا ۱۹۰۲ء) اور برصغیر پاکستان و ہندوستان میں سر سید احمد خاں اسی گروہ سے تعلق رکھتے تھے۔ ذیل میں ان میں سے طہطاوی کے حالات اور افکار پیش کیے جا رہے ہیں، جو اس گروہ کے پہلے ترجمان تھے۔

طہطاوی، جن کا پورا نام رفاعہ رافع طہطاوی ہے ۱۸۰۱ء میں مصر کے ایک غریب لیکن شریف خاندان میں پیدا ہوئے۔ یہ وہ سال تھا جب فرانسیسی فوجوں نے جو ۱۷۹۸ء سے مصر پر قابض تھیں، ترکوں اور انگریزوں کی مشترکہ فوجی کارروائی کے نتیجے میں مصر خالی کر دیا تھا۔ طہطاوی کی پیدائش کے چار سال بعد محمد علی پاشا کو عثمانی خلیفہ نے مصر کا والی مقرر کر دیا۔ محمد علی ایک سخت مگر بیدار مغز حکمران تھا، وہ جلد ہی مصر کا خود مختار حکمران بن گیا اور اصلاحات کے ایک وسیع پروگرام پر عمل شروع کر دیا۔ اسی دور میں طہطاوی نے قرآن پڑھا اور رسمی تعلیم حاصل کی اور ۱۸۱۷ء میں جامعہ ازہر میں داخل ہو گئے، جہاں انھوں نے سات سال تعلیم حاصل کی۔ تعلیم کے بعد ان کو مصری فوج میں امام مقرر کر دیا گیا۔ ۱۸۲۵ء میں جب محمد علی پاشا نے چالیس افراد کا ایک وفد تعلیم و تربیت کے لیے فرانس بھیجنا چاہا تو اس کو یہ فکر ہوئی کہ یہ مصری یورپ جا کر کہیں اپنے دین سے بیگانہ نہ ہو جائیں، اس لیے اس نے اس وفد کے ساتھ ایک امام کو بھی فرانس بھیجا۔ یہ امام طہطاوی تھے جن کی عمر اس وقت صرف چوبیس سال کی تھی۔

کہا جاتا ہے کہ اس سے پہلے طہطاوی خود اپنے ملک میں اسکندریہ کی بندرگاہ تک بھی نہیں گئے تھے۔ وہ نہ تو کوئی یورپی زبان جانتے تھے اور نہ کسی یورپی سے ملے تھے۔ طہطاوی اپنی جماعت کے ساتھ ۱۸۲۶ء میں اسکندریہ سے فرانس کے لیے روانہ ہوئے اور ۳۳ دن کے بعد فرانس کی بندرگاہ مارسلیز پہنچے۔ طہطاوی نے جہاز ہی میں فرانسیسی زبان سیکھنا شروع کر دی تھی اور ان کو جدید تعلیم کا ایسا شوق پیدا ہوا کہ انھوں نے پیرس پہنچنے کے بعد مصری حکومت سے اجازت لے لی کہ مصری جماعت

کے افراد کے ساتھ وہ بھی تعلیم حاصل کر سکیں۔

طہطاوی پانچ سال تک پیرس میں رہے۔ انھوں نے اس مدت میں فرانسیسی زبان پر اتنا عبور حاصل کر لیا کہ اب وہ فرانسیسی اخباروں اور کتابوں کو پڑھنے کے علاوہ فرانسیسی سے عربی میں ترجمہ بھی کر سکتے تھے۔ انھوں نے جن فرانسیسی مصنفوں کا مطالعہ کیا ان میں ڈرامانگار شاعر راسین (۱۶۳۹ – ۱۶۹۹ء)، فلسفی روسو (۱۷۱۲ – ۱۷۷۸ء)، والٹیر (۱۶۹۴ – ۱۷۷۸ء)، ادیب مونٹسکو (۱۶۸۹ – ۱۷۵۵ء) اور فینلون (۱۶۵۱ – ۱۷۱۵ء) شامل ہیں۔ انھوں نے پیرس کی خوب سیر کی، آپیرا اور تھیٹر دیکھے، میز پر کھانا کھایا اور مغربی طور طریقوں کا بغور مشاہدہ کیا۔ ان کے قیام کے آخری دنوں میں ۱۸۳۰ء میں شاہ چارلس دہم کے خلاف کامیاب بغاوت ہوئی اور بغاوت کے بعد جو مقدمے چلے طہطاوی نے ان کو بھی دیکھا اور وہ فرانسیسی نظامِ عدالت سے بہت متاثر ہوئے۔ طہطاوی ابھی پیرس ہی میں تھے کہ جون ۱۸۳۰ء میں فرانس نے الجزائر پر قبضہ کیا اور وہاں کے آرچ بشپ نے چارلس دہم کو مبارک باد دی اور مسلمانوں پر عیسائیوں کی عظیم فتح پر خدا کا شکریہ ادا کیا۔ حالانکہ بقول طہطاوی یہ مذہبی جنگ نہیں تھی بلکہ سیاسی اور تجارتی جھگڑا تھا۔ طہطاوی پہلے عرب ہیں جنھوں نے یورپ میں اپنے مشاہدات کتابی شکل میں پیش کیے۔ کتاب کا نام ہے ، تخلیص الابریز فی تلخیص باریز۔

۱۸۳۱ء میں طہطاوی مصر واپس آگئے۔ ان کو ابوزابل کے طبی مدرسے میں ہیڈ ماسٹر مقرر کیا گیا، اس کے بعد وہ توپ خانے کے مدرسے میں مترجم ہو گئے۔ ۱۸۳۵ء میں وہ بیرونی زبانوں کے مدرسے میں ڈائرکٹر مقرر ہو گئے۔ یہ مدرسہ محمد علی نے قاہرہ میں قائم کیا تھا، اس کے قیام کی تجویز خود طہطاوی نے پیش کی تھی۔ خلدون الحصری نے لکھا ہے کہ اس مدرسے کے طلبا اور طہطاوی نے مل کر بیرونی زبانوں کی دو ہزار کتابوں کا عربی میں ترجمہ کیا۔ یہ ترجمے ہر قسم کے موضوع پر تھے اور ان ترجموں نے مصریوں کی ذہنی بیداری میں اہم کردار ادا کیا۔

محمد علی کے جانشین عباس اول نے اس مدرسے کو ۱۸۴۹ء میں بند کر دیا اور طہطاوی کو ایک ہائی سکول کا ہیڈ ماسٹر بنا کر سوڈان کے نو تعمیر صدر مقام خرطوم بھیج دیا۔ وہ چار سال خرطوم میں رہے۔ ۱۸۵۲ء میں ان کو قاہرہ میں فوجی مدرسے کا ڈائرکٹر مقرر کیا گیا، لیکن یہ مدرسہ بھی جلد ہی بند کر دیا گیا اور طہطاوی بے روزگار ہو گئے۔ خاندان محمد علی کے چوتھے حکمران اسماعیل پاشا (۱۸۶۳ تا ۱۸۷۹ء) نے تخت نشین ہونے

کے بعد ان کو بلا کر نو تشکیل یافتہ تعلیمی کمیشن کا رکن مقرر کیا۔ اس طرح طہطاوی نے مصر کی تعلیمی پالیسی مرتب کرنے میں حصہ لیا۔ اس زمانے میں انھوں نے ان کتابوں کی نگرانی بھی کی جن کا مصر میں ترجمہ کیا جاتا تھا علاوہ ازیں وہ سرکاری رسالے OFFICIAL JOURNAL کے ایڈیٹر بھی تھے۔ ۱۸۷۳ء میں طہطاوی کا انتقال ہو گیا۔

افکار

طہطاوی نے بکثرت کتابوں کے ترجمے کیے۔ یہ ترجمے فرانسیسی سے عربی میں کیے گئے تھے اور جغرافیہ، تاریخ اور فوجی نوعیت کی کتابوں کے ترجمے تھے۔ فرانسیسی مصنف فین لون (FENELON) جو شہنشاہ فرانس لوئی چہار دہم کے پوتے کا اتالیق تھا، اس کی مشہور داستان TELEMAQUE کا بھی عربی میں ترجمہ کیا۔ اس کے علاوہ انھوں نے فرانسیسی نظموں کا بھی عربی میں ترجمہ کیا۔ طہطاوی کی تصانیف میں تخلیص الابریز، جو ان کی پہلی تصنیف ہے، آنحضرتؐ کی سوانح عمری، تاریخ مصر کی جلد اوّل، تعلیم کے موضوع پر ایک کتاب المرشد الامین اور ان کے آخری دور کی کتاب مناہج الالباب المصریہ فی مباہج الآداب العصریہ کے نام قابلِ ذکر ہیں۔ مضامین ان کے علاوہ ہیں، خاص طور پر وہ مضامین جو انھوں نے JOURNAL میں لکھے، بہت اہم ہیں۔ طہطاوی کو شاعری سے بھی دلچسپی تھی اور ان کے اشعار میں وطن سے محبت کا جذبہ نمایاں ہے۔[۱]

طہطاوی مغربی تہذیب کے مداح ہیں۔ انھوں نے اعتراف کیا ہے کہ مغربی تہذیب ان کی اپنی تہذیب سے برتر ہے۔ وہ مناہج میں لکھتے ہیں کہ تہذیب کی دو بنیادیں ہوتی ہیں۔ ایک مادی اور دوسری غیر مادی، اور فرانسیسی ان دونوں میں برتر ہیں۔ وہ فرانسیسیوں کی محض سیاسی، اقتصادی اور فوجی برتری کو ہی تسلیم نہیں کرتے بلکہ ان کی محنت، صداقت، انصاف اور کردار کی تعریف بھی کرتے ہیں۔ چنانچہ وہ مصریوں پر زور دیتے ہیں کہ وہ آرٹ، سائنس اور صنعت کے لیے مغرب کا رخ کریں کیونکہ یہ چیزیں مغرب میں اپنے کمال کے ساتھ موجود ہیں۔[۲]

---

[۱] عبدالرحمٰن الرافعی نے اپنی کتاب عصر محمد علی (ص ۵۰۰ - ۵۰۳) میں طہطاوی کے منتخب اشعار پیش کیے ہیں۔

[۲] تخلیص، ص ۴۔

طہطاوی مغربی تہذیب کی تعریف کے باوجود فرانس کو کفر و عناد کی سرزمین کہتے ہیں اور فرانسیسیوں کے بارے میں لکھتے ہیں کہ اگرچہ وہ ایمان کی صحت سے دور ہیں لیکن ان میں صفائی کا جذبہ قابلِ تعریف ہے۔ ان کے اندر یہ خوبی عیسائیت کی وجہ سے نہیں ہے، کیونکہ فرانس کے عیسائی صفائی پسند ہوتے ہیں جبکہ مصر کے قبطی عیسائی گندے ہوتے ہیں۔ طہطاوی کے خیال میں فرانسیسی برائے نام عیسائی ہیں، کیونکہ وہ روایات اور سند کے غلام نہیں۔ وہ ہر معاملے کی تہ تک پہنچنا چاہتے ہیں۔ طہطاوی ان کے عقلی طریقۂ کار کی تعریف کرتے ہیں۔

خلدون الحصری لکھتے ہیں کہ طہطاوی کی خصوصیت یہ ہے کہ وہ اسلامی حدود کی پابندی کرنا چاہتے ہیں، وہ ایک ایسے مصلح ہیں جو تجدد کا کام اسلام کے اندر رہ کر انجام دینا چاہتے ہیں۔ وہ بتاتے ہیں کہ مغرب نے بہت سے اصول اسلام سے لیے ہیں۔ میں صرف ان چیزوں کی تعریف کرتا ہوں جو شریعتِ اسلامی کے خلاف نہیں ہیں۔ مثلاً طہطاوی فرانسیسیوں کے انصاف کی تعریف کرتے ہیں جو ان کے خیال میں تہذیب کی بنیاد ہے۔ وہ کہتے ہیں کہ فرانسیسیوں کے قوانین کسی حد تک اسلام کے قوانین سے ملتے جلتے ہیں، لیکن وہ الہامی کتابوں پر مبنی نہیں ہیں۔

طہطاوی مسلمانوں میں مذہبی اختلافات کو ایک برکت سمجھتے ہیں، کیونکہ اس طرح ایک مذہب والا دوسرے مذہب کے اصول کو اپنا سکتا ہے۔ چنانچہ وہ بعض مغربی اصولوں کو فقہِ حنفی کے مطابق پا کر قبول کرنا چاہتے ہیں، حالانکہ وہ خود شافعی تھے۔

طہطاوی جامعہ ازہر کے نصاب میں جدید علوم کو بھی شامل کرنے کے حامی تھے۔ وہ لکھتے ہیں کہ یہ علوم بظاہر بیرونی ہیں، لیکن فی الحقیقت اسلامی ہیں اور مغربی زبانوں میں عربی سے منتقل ہوئے ہیں۔[۵۳]

وہ سیاسیات اور نظامِ حکومت کو بھی مدارس کے نظام میں شامل کرانا چاہتے تھے۔ وہ لکھتے ہیں کہ "قرآن کی تعلیم اور عربی زبان کے اصول کی تعلیم کے بعد سیاسیات کا درس ہونا چاہیے، کیونکہ اصولِ سیاست کے مطالعے سے آدمی بہتر شہری بن سکتا ہے۔"

طہطاوی نے تخلیص میں فرانس کے سیاسی اداروں کا تذکرہ کیا ہے اور مناہج میں انھوں نے اپنے سیاسی

---

۵۳ مناہج، ص ۱۹۲

تصورات پیش کیے ہیں۔ وہ لکھتے ہیں کہ فرانسیسی جس چیز کو لبرٹی (حریت) کہتے ہیں، وہ وہی چیز ہے جسے ہم انصاف اور عدل کہتے ہیں۔ وہ لکھتے ہیں کہ تہذیب کی ترقی و تکمیل دو طرح سے ہوتی ہے، مذہب سے اور مفادِ عامہ کے کاموں سے یعنی زراعت، تجارت اور صنعت سے۔[۴۴]

بادشاہی نظام پر تنقید کرتے ہوئے طہطاوی لکھتے ہیں کہ "بادشاہ مختارِ مطلق نہیں ہو سکتا کیونکہ وہ اولی الامر ہے، زمین پر اللہ کا نائب ہے اور اللہ نے اس کو رعیت کی نگہبانی کے لیے منتخب کیا ہے۔ وہ رعایا کی ملکیت ہے، مالک نہیں۔ جب خدیو اسماعیل پاشا نے "مجلس النواب" قائم کی، تو طہطاوی نے اس کی تعریف کی۔

طہطاوی مزدور کی محنت کو بہت اہمیت دیتے ہیں اور خلدون الحصری کے خیال میں انھوں نے جو نظریہ پیش کیا ہے وہ محنت اور قدرِ زائد کے مارکسی نظریے سے بہت ملتا جلتا ہے۔ انھوں نے مصری جاگیرداروں پر سخت تنقید کی ہے کیونکہ وہ پیداوار پر اجارہ داری قائم کر کے زراعت کے سارے فائدے سے متمتع ہوتے ہیں اور وہ کھیت میں کام کرنے والے مزدوروں کو جو اجرت دیتے ہیں وہ ان کے حق سے بہت کم ہوتی ہے۔ وہ کہتے ہیں کہ زمینداروں کا یہ نظریہ غلط ہے کہ وہ چونکہ راس المال خرچ کرتے ہیں، اس لیے ان کو نفع حاصل ہوتا ہے اور یہ ان کا حق ہے۔ حصری کا خیال ہے کہ طہطاوی نے مزدور کے متعلق یہ تصور مارکس کی طرح ایڈم اسمتھ اور ریکارڈو[۴۵] سے لیا ہے، کیونکہ مارکس کی کتاب "سرمایہ" پہلی مرتبہ جرمن میں ۱۸۶۷ء میں شائع ہوئی اور طہطاوی اس زبان سے ناواقف تھے۔ ان کی مناہج ۱۸۶۹ء میں لکھی گئی۔ سرمایہ کا فرانسیسی میں ترجمہ ۱۸۷۵ء میں ہوا۔

وطن

طہطاوی کی تحریروں میں وطن اور حبِ وطن کا بار بار تذکرہ آتا ہے۔ کہا جاتا ہے کہ طہطاوی اسلامی دنیا میں پہلے شخص ہیں جنھوں نے وطن کا لفظ اور اصطلاح مغربی تصورِ وطن کے مطابق استعمال کی۔ وہ

---

[۴۴] مناہج، ص ۹۸

[۴۵] ایڈم اسمتھ (۱۷۲۳ تا ۱۷۹۰ء) مصنف "دولت اقوام" اور ڈیوڈ ریکارڈو (۱۷۷۲ تا ۱۸۲۳ء) دونوں برطانیہ کے ممتاز ماہرین معاشیات تھے۔

اپنی کتاب المرشد الامین میں لکھتے ہیں کہ: "جس طرح مسلمان مذہب سے محبت کرتے ہیں، مغرب میں اسی طرح وطن سے محبت کی جاتی ہے، حالانکہ وطن سے محبت مسلمانوں کے لیے ایمان کی ایک شاخ ہے۔ ابنائے وطن ایک زبان بولتے ہیں، ایک جیسے رسم و رواج رکھتے ہیں اور ایک ریاست کی اطاعت کرتے ہیں اور ایک قانون مانتے ہیں۔

"اسلامی برادری میں مصری اپنا ایک علیحدہ وجود رکھتے ہیں اور ان کا وطن مصر ہے۔ دنیا کے ہر خطے میں ایک سیارہ ہوتا ہے جو افق پر چمکتا ہے، مصر براعظم افریقہ کا سیارہ ہے، اس کا سب سے بلند مینار اور اس کے افق کا روشن سورج۔ مصر سب سے زیادہ باعظمت نہ سہی لیکن ایک عظیم ملک ہے۔"

طہطاوی نے عربی زبان میں اولین وطنی شاعری کی جس کو وہ قصائد وطنیہ کہتے ہیں۔ ان میں وہ مصر کی عظمت اور محمد علی کے زمانے کی مصری فتوحات کا تذکرہ کرتے ہیں۔ ان نظموں میں قبل از اسلام کے دور پر بھی فخر کیا گیا ہے۔

طہطاوی نے فرانس کے قومی ترانے مارسلینز کا عربی میں ترجمہ بھی کیا ہے۔ وہ لکھتے ہیں کہ فرانسیسی وطن کی خاطر ہر خطرے میں پڑنے کے لیے تیار رہتے ہیں اور وطن پرستی مغربی قوموں کے لیے قوت کا ایک بڑا ذریعہ ہے۔ وہ لکھتے ہیں کہ رومی سلطنت کی دو حصوں میں تقسیم اور بعد میں اس کا زوال دونوں رومیوں میں وطن پرستی کے زوال کی وجہ سے ہوا۔ لیکن اس کے ساتھ ہی طہطاوی یہ بھی لکھتے ہیں کہ ہر مسلم ملک ان تمام مسلمانوں کا وطن ہو سکتا ہے جو وہاں رہتے ہیں۔"[۵]

(خلدون الحصری کی انگریزی کتاب "تین مصلحین" سے ماخوذ)

---

[۵] المرشد الامین، ص ۱۲۵

روحِ اسلام اردو ترجمہ سپرٹ آف اسلام : سید ہادی حسن

سید امیر علی کی اس شہرہ آفاق کتاب کا عربی، فارسی اور بعض دوسری اسلامی زبانوں میں ترجمہ ہو چکا ہے۔ اس کتاب میں فاضل مصنف نے اسلام کے اساسی عقاید کی حقانیت اور اس کی عالمگیر تہذیب کی برتری کو عہدِ حاضر کے عقلی و فلسفیانہ معیار پر پرکھا ہے اور ثابت کیا ہے کہ اسلام نہ صرف اس دور میں جب کہ اس کا ظہور ہوا بلکہ آج بھی انسانیت کے لیے سب سے اعلیٰ اور برتر پیغام ہے۔

اصل کتاب انگریزی زبان کا ایک ادبی شاہکار ہے۔ سید ہادی حسن صاحب نے کتاب کے اُردو ترجمے میں اس کی ادبی شان کو برقرار رکھنے کی پوری کوشش کی ہے۔

صفحات ۱۶ + ۲۴ ، قیمت ۳۵ روپے

علمِ حدیث میں پاک و ہند کا حصہ

مصنف : ڈاکٹر محمد اسحاق مترجم : شاہد حسین رزاقی

برعظیم پاک و ہند کے مسلمان علم حدیث کو فروغ دینے میں ہمیشہ پیش پیش رہے ہیں اور یہاں کے علماء و محدثین اور ان کے قائم کردہ مکاتبِ حدیث کی تعلیم اور ترقی و اشاعت کے لیے ہر ایک دور میں گراں قدر خدمات انجام دی ہیں۔ اس کتاب میں فاضل مصنف نے سندھ میں صحابہ و تابعینِ کرام کے ورود اور قدیم ترین مراکزِ حدیث کے قیام سے لے کر تعلیم و اشاعتِ حدیث کے دورِ جدید کے آغاز اور دارالعلوم دیوبند کی تاسیس تک اسلامی ہند میں حدیث کی ترویج و اشاعت اور تعلیم و ترقی کی تاریخ بڑی تلاش و تحقیق سے قلم بند کی ہے اور محدثین کے مختصر حالات اور ان کی تصانیف کے بارے میں مفید معلومات بھی درج کیے ہیں۔

علم حدیث اور اس کی تاریخ کا مطالعہ کرنے والوں کے لیے یہ کتاب بہت اہم اور ضروری ہے۔

صفحات ۴ + ۳۰۸ قیمت ۲۵ روپے

ملنے کا پتا : ادارۂ ثقافتِ اسلامیہ، کلب روڈ، لاہور